بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

مسلک خدا پرستی کی عظیم ظاہری علامت اور توحید کا دارالمرکز اور ملتِ اسلامیہ کے دائرے کا نقطۂ وسطی ہونے کے لحاظ سے اس کرۂ خاکی پر جو مقام کعبۃ اللہ مبارکہ، مسجد بیت اللہ شریف اور حرمِ مکیہ کو حاصل ہے، وہ کسی دوسری عمارت، ادارے، معبد یا شہر کو حاصل نہیں ہے — دوسرے تمام مبارک اور مقدس مقامات کا اپنا اپنا درجہ اور مرتبہ ہے۔

عقیدہ و شعور کے بعد جو ظاہری چیزیں ہم مسلمانوں کے ایمان و عرفان کو جلا دیتی اور ہمارے رشتۂ وحدت کو مستحکم کرتی ہیں، وہ قرآن کریم، حرمِ مکہ اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی آرام گاہ اور مسجد تین چیزیں ہیں۔ یہ تین چیزیں تجلیاتِ الٰہیہ کو پردۂ مادیت پر منعکس کرتی ہیں۔ ان کی عزت ان کی سربلندی، ان کے امن اور ان کی آبادی و رونق پر ہماری سربلندی، ہمارے امن، ہماری آبادی و بقا اور ہمارے رشتۂ وحدت و اتحاد کا انحصار ہے۔

ان تینوں مقدس مظاہر کے اعزاز و اکرام کے خاص احکام ہیں۔

اس وقت ہم کعبۃ اللہ اور حرمِ مکہ کے حقِ تعظیم پہ گفتگو کر رہے ہیں۔

حرمِ مکہ یا بیت اللہ کے متعلق قرآن میں یہ نہایت جامع امتناعی ہدایت دی گئی ہے:

وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ (الحج - ۲۵)	اس (مسجدِ حرام) میں جو بھی راستی سے ہٹ کر ظلم کا طریقہ اختیار کرے گا، اسے ہم دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے (ترجمہ از تفہیم القرآن)

راستی سے ہٹ کر ظلم کا طریقہ اختیار کرنے کا مفہوم بھی ہم تفہیم القرآن ہی کے تفسیری حاشیے سے پیش کرتے ہیں:-

"اس سے ہر وہ فعل مراد ہے جو راستی سے ہٹا ہوا ہو اور ظلم کی تعریف میں آتا ہو، نہ کہ کوئی خاص فعل۔ ان عام گناہوں کے علاوہ حرم کی حرمت کے متعلق جو خاص احکام ہیں اُن کی خلاف ورزی بدرجۂ اولیٰ اس تعریف میں آتی ہے۔

حرم کے باہر جس شخص نے کسی کو قتل کیا ہو یا کوئی اور ایسا جرم کیا ہو، اور پھر وہ حرم میں پناہ لے لے، تو جب تک وہ وہاں رہے اُس پر ہاتھ نہ ڈالا جائے گا..... حضرت عمرؓ عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے یہ اقوال معتبر روایات میں آتے ہیں کہ اگر ہم اپنے باپ کے قاتل کو بھی وہاں پائیں تو اُسے ہاتھ نہ لگائیں۔ اسی لیے جمہور تابعین اور حنفیہ اور حنابلہ اور اہل حدیث اس کے قائل ہیں کہ حرم کے باہر کیے ہوئے جرم کا قصاص حرم میں نہیں لیا جائے گا[۱] وہاں جنگ اور خونریزی حرام ہے[۲]۔

فتح مکہ کے دوسرے روز جو خطبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا، اس میں آپ نے اعلان فرمایا تھا کہ لوگو! اللہ نے مکہ کو ابتدائے آفرینش سے حرام کیا ہے اور یہ قیامت تک کے لیے اللہ کی حرمت سے حرام ہے۔ کسی شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو، حلال نہیں ہے کہ یہاں کوئی خون بہائے۔ پھر فرمایا کہ: اگر میری اس جنگ کو دلیل بنا کر کوئی شخص اپنے لیے یہاں خونریزی کو جائز ٹھہرائے تو اس سے کہو کہ اللہ نے اپنے رسولؐ کے لیے اس کو جائز کیا تھا نہ کہ تمہارے لیے، اور میرے لیے بھی یہ صرف

---

[۱] قصاص ہی نہیں، راقم ناچیز کی دانست میں اُسے گرفتار بھی نہیں کیا جا سکتا۔ حرم سے باہر نکلنے پر اُسے گرفتار کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ مسجد بیت اللہ ہر اس شخص کے لیے جائے امن ہے جو اس میں داخل ہو (ف۔ص)

[۲] ماسوا اس کے کہ کوئی گمراہ فریق حرم میں مسلح ہو کر خونریزی کرنے کے لیے جائے یا مورچہ بندی کر کے حملے کا آغاز کر دے۔ (ف۔ص)

ایک دن کی ایک ساعت کے لیے حلال کیا گیا تھا، پھر آج اس کی حرمت اسی طرح قائم ہوگئی، جیسی کل تھی" (حاشیہ نمبر ۴۴ سورۂ حج)

مزید یہ کہ احادیث کی روشنی میں بہ مطابق تحریر صاحب تفہیم القرآن چند اور چیزیں ممنوع ہیں۔

"وہاں کے قدرتی درختوں کو نہیں کاٹا جا سکتا۔ نہ خودرو گھاس اکھاڑی جا سکتی ہے، نہ پرندوں اور دوسرے جانوروں کا شکار کیا جا سکتا ہے، اور نہ شکار کی غرض سے وہاں کے جانور کو بھگایا جا سکتا ہے تاکہ حرم کے باہر اس کا شکار کیا جائے۔ اس سے صرف سانپ بچھو اور دوسرے موذی جانور مستثنیٰ ہیں (اور ان کو عین حالت نماز میں بھی مارا جا سکتا ہے۔ ناقل) اور خودرو گھاس سے اذخر اور خشک گھاس مستثنیٰ کی گئی ہے۔

وہاں کی گری پڑی چیز اٹھانا ممنوع ہے .... وہاں جو شخص بھی حج یا عمرے کی نیت سے آئے وہ احرام کے بغیر داخل نہیں ہو سکتا۔" (حاشیہ ۴۴۔ سورۂ حج)

اسی آیت پر ابن کثیر میں مختلف روایات سے استفادہ کرتے ہوئے مزید کئی باتیں مذکور ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ اصولی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ کسی شخص کا معاصی کبیرہ میں سے کسی بیہودہ حرکت کا عزم کرنا یعنی اس غرض کے لیے عمد وقصد کا پایا جانا یا بروایت ابن عباس تعمّد کا ہونا، کیونکہ آیت میں "من یُرد" کے الفاظ ہیں۔ یعنی جس کسی نے ارادہ کر لیا۔ یہ ارادہ وعمد خبیث طرز کے افعال کے لیے باعث عذاب الیم ہے، ان میں سے مثلاً ایک بروایت ابن عباس شرک یا بالفاظ مجاہد غیر اللہ کی عبادت ہے۔ عوفی نے حضرت ابن عباسؓ ہی کی یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ ظلم سے یہاں مراد حرم کو بُرائی اور قتل کے لیے حلال کرنا ہے۔ مجاہد کا ایک قول یہ ہے کہ حرم میں کسی ناپسندیدہ عمل کا ارتکاب ظلم ہے اور یہ کچھ حرم کی خصوصیت ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے حدود میں ظلم کا آغاز کرنے چلے تو وہ گرفت میں آجاتا ہے محض بُرائی کا عزم وعمد کارفرما ہونا کافی ہے، خواہ وہ اُسے جامۂ عمل نہ پہنا سکے۔ ابن مسعودؓ ایسے آدمی کے متعلق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُسے ضرور عذاب الیم کا مزہ چکھائے گا۔ حرم میں کسی شخص کے محض قتل کی رغبت کرنا بھی تعریف ظلم میں داخل ہے۔ سعید بن جبیرؓ تو یہاں تک جاتے ہیں کہ اپنے خادم کو ملامت یا زجر و توبیخ کرنا بھی ظلم میں داخل ہے۔ حبیب ابن ابی ثابت کے الفاظ میں مکہ میں احتکار کرنے والا ظالم

کی تعریف میں داخل ہے۔ یعلیٰ بن امیہ نے تو رسولؐ خدا سے روایت کیا ہے کہ مکہ میں طعام (غذائی سامان) کا احتکار کرنا الحاد (کی تعریف میں داخل) ہے۔ ایک شخص اسلام سے مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا۔ اور حرم میں جا پناہ لی۔ بعض نے اس واقعہ کو متذکرہ آیت کا شان نزول قرار دیا۔ یعنی اسلام سے فرار کرنے والے کی حیثیت ومن یرد فیہ بالحاد بظلم سے مطابقت رکھتی ہے۔ حرم مخالفین و مرتدین اسلام کے لیے پناہ گاہ نہیں جو الحاد و ظلم کے راستے پر پڑ چکے۔ ابن کثیر بحث کے آخر میں لکھتے ہیں کہ یہ جتنی مثالیں مذکور ہوئیں، اُن سے آیت زیر نظر زیادہ وسیع الاطلاق ہے[۱]۔

علاوہ ازیں قرآن کریم نے بعض بنیادی جرائم کا ذکر کیا جو حرم میں زیادہ بڑے گناہ کا باعث ہوتے ہیں اور الحاد و ظلم کی تعریف میں داخل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً البیت کا ذکر کرتے ہوئے یہ وضاحت بواسطہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کہ "لا تشرک بی شیئاً" یعنی میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھیراؤ۔ (الحج-۲۶) و طھر بیتی...... (یعنی میرے گھر کو (شرک، گناہ اور ظاہری غلاظتوں سے) پاک کر کے رکھو۔ (الحج-۲۶) اس کے بعد اذن فی الناس بالحج یعنی لوگوں کو حج کے لیے دعوتِ عام دو ___ شرک اور گندگی سے حرم کو پاک رکھنے کی ہدایت کے بعد تیسرا حکم یہ بتایا ہے کہ عام لوگوں کو دعوت حج دی جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے لیے حج بیت اللہ میں کوئی روک ٹوک نہ ہو، اُن کو امن حاصل ہو اور ملکوں اور نسلوں اور مالی حالات کے لحاظ سے اُن میں کوئی تمیز و تفریق نہ کی جائے۔ پھر آگے جا کر یہ فرمایا کہ ومن یعظم حرمات اللہ فھو خیر لہ عند ربہ یعنی جو کوئی اللہ کی قائم کردہ حرمتوں کا احترام کرے تو یہ اس کے رب کے نزدیک خود اس کے لیے بہتر ہے۔ (الحج-۳۰) دوسرے لفظوں میں اگر کوئی شخص

---

[۱] مفسرین کے ہاں ایک بحث بھی اسی مسئلے کے متعلق یہ ملتی ہے کہ اہل مکہ کو حاجیوں کے لیے گھروں کے دروازے کھول دینے چاہییں اور ان سے کرایہ وصول نہیں کرنا چاہیے اور نہ قیمت طعام لی جانی چاہیے ورنہ ظلم ہوگا۔ اس سلسلے میں محدثین و فقہا نے بحثیں کر کے اس انتہا پسندانہ نقطہ نظر کی کمزوری واضح کر دی ہے۔ یہاں تذکرہ غیر ضروری ہے (ن-ر-ص)

خدائی حرمات کی تعظیم نہیں کرتا یا اُن کا درجہ گھٹاتا یا اُن کو پامال کرتا ہے تو وہ الحاد و ظلم کا مجرم ہے اور خدائی حرمات میں حرم کی حرمت کے بعد، انسانی جان، مال اور آبرو کی حرمت انتہائی اہم ہے جیسا کہ قرآن کی تشریح میں خطبۂ حج الوداع میں حضورؐ نے شدید تاکید کی۔ پھر آگے چل کر حکم امتناعی ہے کہ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۔ یعنی "بتوں کی گندگی سے بچو اور جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو" (الحج - ۳۰) مزید یہ بات چاہی گئی ہے کہ حرم کے حاجیوں اور عبادت گذاروں کو حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ کی کیفیت میں ہونا چاہیے۔ یعنی پوری یکسوئی کے ساتھ اللہ کے بندے ہو کے عبادت کریں اور شرک نہ کریں۔ (الحج - ۳۱) یہ صریح طور پر قرآنی ممنوعات ہیں۔

واضح رہے کہ یہ تمام چیزیں ویسے بھی شرعاً ممنوع ہیں، مگر بیت اللہ شریف یا جوارِ حرم میں ان کا ارتکاب بہت زیادہ بڑا جرم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ گھر اپنی نور افروز تاریخ اور بابرکت فضاؤں کی وجہ سے قلب و نظر کے لیے ایک تربیتی مرکز ہے۔ اگر اس مرکز کو بگاڑ دیا جائے تو پھر وہ بات ہوگی کہ "چو کفر از کعبہ برخیزد!"

اسی سورۂ حج میں جہاں بڑا اہم مطالبہ تعظیمِ حرم کا ہے وہاں اسی کے ساتھ تعظیم حرمات اللہ کی تاکید کی گئی ہے۔ پھر دوسری جگہ تعظیم شعائر اللہ کا حکم ہے۔ دراصل شعائر اللہ ہی سے دین کا سارا تانا بانا بنتا ہے۔ نومولود کے کان میں اذان کہنے سے لے کر کفن دفن تک، اور وضو اور داڑھی سے لے کر طواف اور قربانی تک جابجا شعائر اللہ کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ اگر شعائر اللہ کی حرمت و تعظیم قائم رہے تو دین قائم رہتا ہے، اگر یہ چیز ضائع ہو جائے تو دین کو بچایا نہیں جا سکتا۔ شعائر اللہ کا تمسخر اڑانا، شعائر اللہ کو بے وقعت سمجھنا اور شعائر اللہ کو ترک کرنا یا ان پر کسی دوسرے طور طریق کو ترجیح دینا تقاضائے دین کے خلاف ہے۔ آیات اللہ اور حدود اللہ کے بعد شعائر اللہ کی بے حد اہمیت ہے۔ یہ اسلامی معاشرت و تہذیب کے ایسے مظاہر ہیں جن کے ذریعے ہمارے عقائد و تصورات محسوس شکل میں نمایاں ہوتے ہیں۔ متعلقہ ایمان افروز آیت ملاحظہ ہو:-

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ

اور جو اللہ کے مقرر کردہ شعائر کا احترام کرے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔

(الحج: ۳۲) (ترجمہ از تفہیم القرآن)

اب ذرا وہ جامع تفسیری حاشیہ ملاحظہ ہو، جو صاحب تفہیم القرآن نے شعائر اللہ کی حقیقت واضح کرنے کے لیے لگایا ہے:۔

ہر وہ چیز جو کسی مسلک یا عقیدے یا طرزِ فکر و عمل یا کسی نظام کی نمائندگی کرتی ہو، وہ اس کا شعار کہلائے گی، کیونکہ وہ اس کے لیے علامت یا نشانی کا کام دیتی ہے۔ سرکاری جھنڈے، فوج اور پولیس وغیرہ کے یونیفارم، سکے، نوٹ اور اسٹامپ حکومتوں کے شعائر ہیں، اور وہ اپنے محکوموں سے، بلکہ جن جن پر ان کا زور چلے، سب سے ان کے احترام کا مطالبہ کرتی ہیں۔ گرجا اور قربان گاہ اور صلیب مسیحیت کے شعائر ہیں۔ چوٹی اور زنار اور مندر برہمنیت کے شعائر ہیں۔ کیس اور کڑا اور کرپان وغیرہ سکھ مذہب کے شعائر ہیں۔ ہتھوڑا اور درانتی اشتراکیت کا شعار ہے۔ سواستیکا آریہ نسل پرستی کا شعار ہے۔ یہ سب مسلک اپنے اپنے پیرؤوں سے اپنے ان شعائر کے احترام کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی نظام کے شعائر میں سے کسی شعار کی توہین کرتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ دراصل اس نظام کے خلاف دشمنی رکھتا ہے، اور اگر وہ توہین کرنے والا خود اسی نظام سے تعلق رکھتا ہو تو اس کا یہ فعل اپنے نظام سے ارتداد اور بغاوت کا ہم معنی ہے ..... شعائر اللہ سے مراد وہ تمام علامات یا نشانیاں ہیں جو شرک و کفر اور دہریت کے بالمقابل خالص خدا پرستی کے مسلک کی نمائندگی کرتی ہوں۔ ایسی علامات جہاں جس مسلک اور جس نظام میں بھی پائی جائیں، مسلمان ان کے احترام پر مامور ہیں، بشرطیکہ ان کا نفسیاتی پس منظر خالص خدا پرستانہ ہو، کسی مشرکانہ یا کافرانہ تخیل کی آلودگی سے انہیں ناپاک نہ کر دیا گیا ہو۔ کوئی شخص خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، اگر اپنے عقیدہ و عمل میں خدائے واحد کی بندگی و عبادت کا کوئی جزء رکھتا ہے تو اس جزء کی حد تک مسلمان اس سے موافقت کریں گے اور ان

شعائر کا بھی احترام کریں گے جو اس کے مذہب میں خالص خدا پرستی کی علامت ہوں۔ اس چیز میں ہمارے اور اس کے درمیان نزاع نہیں بلکہ موافقت ہے۔ نزاع اگر ہے تو اس امر میں نہیں کہ وہ خدا کی بندگی کیوں کرتا ہے، بلکہ اس امر میں ہے کہ وہ خدا کی بندگی کے ساتھ دوسری بندگیوں کی آمیزش کیوں کرتا ہے۔[1]

..... احرام بھی من جملہ شعائر اللہ ہے، اور اس کی پابندیوں میں سے کسی پابندی کو توڑنا اس کی بے حرمتی کرنا ہے۔ اس لیے شعائر اللہ ہی کے سلسلہ میں اس کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے کہ جب تک تم احرام بند ہو، شکار کرنا خدا پرستی کے شعائر میں سے ایک شعار کی توہین کرنا ہے۔ البتہ جب شرعی قاعدے کے مطابق احرام کی حد ختم ہو جائے تو شکار کرنے کی اجازت ہے۔[2]

حرم، بیت اللہ اور شعائر اللہ کی حرمت و تعظیم کے سلسلے میں احکامِ قرآنی آپ کے سامنے آگئے۔ اب اگر آپ سورۃ الحج کی آیت ۲۵ کو غور سے ملاحظہ کریں جس میں حرم اور بیت اللہ میں الحاد و ظلم کا رویہ اختیار کرنے والوں کے لیے عذاب الیم کی وعید آئی ہے، تو اندازہ ہوگا کہ یہ آیت قرآن کی اُن چند سخت ترین آیات میں سے ہے جو خوف سے لرزا دینے اور کپکپا دینے والی ہیں۔

---

(۲)

تاریخی طور پر عظمتِ حرم کو مجروح کرنے کے لیے جو اقدامات ہوئے، اُن میں سے سب سے پہلا، بڑا اور مشہور واقعہ اصحاب فیل کا ہے۔

۵۲۵ء میں قسطنطنیہ کی رومی حکومت کی پشت پناہی سے حبش کی حکومت یمن میں قائم ہو گئی۔ حملہ اصحابِ فیل کے وقت ابرہہ یمن میں حکومت حبش کا نائب السلطنت تھا۔ یہ شخص حکومت حبش کی برائے نام بالادستی کو تسلیم کرتے ہوئے آہستہ آہستہ علاقہ یمن کے پورے حاکمانہ اختیارات پر قابض ہو گیا۔ اس نے یمن کے دارالحکومت صنعا میں ایک عظیم الشان کلیسا تعمیر کرایا جس کا نام عرب مؤرخین نے (باقی بر صفحہ ۴۰)

---

[1] تفہیم القرآن۔ سورۂ مائدہ۔ حاشیہ ۵   [2] ایضاً حاشیہ ۶